مسلمانانِ ہند کا مدعا و مطالبہ

اسٹڈی سرکل بمبئی کے شائع کردہ رسالہ "انڈیاز فیوچر کانسٹیٹیوشن"
یعنی "مسلم انڈیا، کیس اینڈ ڈیمانڈ" کا اردو ترجمہ

از

محمد ظفر احمد صاحب انصاری

ام۔اے، بی۔اے (آنرز)، ال۔ال۔بی

ناشر

سید شمس الحسن

اسسٹنٹ سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ

سنہ ۱۹۴۳ء

قیمت ۴ر

آل انڈیا مسلم لیگ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی سیاسی جماعت ہے

دورِ برطانیہ سے قبل مسلمان ہی ہندوستان پر حکمرانی کر رہے تھے۔ تقریباً سارا ہندوستان مدتوں سلطنتِ مغلیہ کے زیرِ نگیں رہا۔ اس سلطنت کے انحطاط و زوال کا جو عمل عرصہ سے شروع ہو چکا تھا بالآخر ۱۸۵۷ء کے جگر خراش واقعات پر ختم ہوا۔

اس کے بعد برطانوی پارلیمنٹ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے باضابطہ طور پر ہندوستانی مقبوضات کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ان حالات میں بالکل فطری امر تھا کہ عرصہ تک حکومتِ برطانیہ اور مسلمانانِ ہند کے درمیان کشیدگی و بے اعتمادی رہتی چنانچہ رہی، اور مسلمان ان نئے حالات سے ہم آہنگ ہونے میں تاخیر و تردد سے کام لیتے رہے، اس موقع پر ایک زبردست رہنمائے فکر و عمل، سر سید احمد خاں مرحوم۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ عدیم المثال بصیرت و دور اندیشی اور انتہائی جرأت و بے باکی سے کام لیکر انہوں نے اہلِ برطانیہ کو بتایا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ اور خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ حکمران قوم کا طرزِ عمل کن کن حیثیتوں سے غلط رہا ہے اس کے ساتھ ہی انہوں نے حکومت اور عوام کے درمیان نتیجہ خیز تعاون کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیا اور اس قسم کے تعاون کے لئے مناسب اسلوب و مناہج تجویز کئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور بہت شدت کے ساتھ اصرار کیا کہ سب سے پہلے تمام تعصبات اور توہمات سے کنارہ کش ہو کر مغربی تعلیم سے

بہرہ ور ہونا چاہیئے ۔ اپنی ہی قوم کے رجعت پسند اور اصلاح دشمن عنصر کی جانب سے ان کی سخت مخالفت کی گئی ۔ لیکن وہ قطعاً ہمت نہ ہارے اور بالآخر انہوں نے کیمبرج اور آکسفورڈ کے نمونہ پر جدید طرز کا ایک نہایت عمدہ کالج قائم کر دیا ۔ جہاں اس کی کوشش کی گئی کہ اسلامی مذہب اور تہذیب کو مغربی فلسفہ اور علوم و فنون کے ساتھ ہم آہنگ کر دیا جائے ۔ یہ کالج ترقی کر کے اب ایک نہایت خوشحال یونیورسٹی بن گیا ہے اور اس وقت اسے دس کروڑ اسلامیان ہند کے تہذیبی مرکز اور تعلیمی مستقر کی حیثیت حاصل ہے ۔

سر سید نے اپنی قوم کے لئے انیسویں صدی کے ربع آخر میں جو پالیسی تجویز کی تھی وہ یہ تھی کہ مسلمان اپنی تمام تر توجہ تعلیم پر صرف کریں ۔ اپنی منتشر قوت کی از سر نو شیرازہ بندی کریں اور سر دست سیاسی ہنگاموں میں عملی طور پر شریک ہونے سے احتراز کریں ۔ آج ہر شخص معترف ہے کہ ان مخصوص حالات میں یہی سب سے زیادہ دانشمندانہ پالیسی تھی اور یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ ان کی سیاسی رہنمائی سب نے تسلیم کی ۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی جو ان کے مذہبی اور تعلیمی نظریات سے شدید اختلاف رکھتے تھے ۔

علی گڈھ تحریک جو ملت اسلامیہ کی ہمہ گیر نشاۃ ثانیہ کے لئے شروع کی گئی تھی زیادہ عرصہ تک اصلاح معاشرت و ترقی تعلیم کے دائروں تک کیونکر محدود رہ سکتی تھی ۔ تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا ہونا شروع ہوا ۔ حکومت برطانیہ نے خود نظم و نسق میں ہندوستانیوں کو شریک کرنے اور انہیں سیاسی مراعات دینے کی آمادگی ظاہر کی ۔ اگرچہ یہ مراعات بہت معمولی تھیں ۔ مسلمان شروع ہی سے اپنی جداگانہ حیثیت کا احساس رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ نہ محض مذہب و تمدن اور معاشرت کے اعتبار سے بلکہ سیاسی

نقطۂ نظر سے بھی وہ ایک جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان گہرے تاریخی، نسلی
لسانی، تہذیبی، مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، نفسیاتی اور طبعی اختلافات کی
بنا پر یہ جوان کو دیگر اقوام خصوصاً اونچی ذات والے ہندوؤں سے ممتاز کرتے
ہیں مسلمانوں نے اپنے کو ایک جداگانہ معاشرتی اور سیاسی واحدہ تصور کیا جبکے
اپنے جدا مقدرات و مستقبل ہیں۔ لہٰذا اگرچہ انہیں دوسروں کے ساتھ منصفانہ
شرائط پر تعاون کرنے میں کبھی تامل نہیں ہوا تاہم انہیں اپنے تمدنی، مذہبی
معاشرتی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کی ضرور فکر رہی۔ نیز اس کا بھی خیال رہا
کہ حکومت کی طرف سے جو امتیازات و مراعات حاصل ہوں اُن میں مسلمانوں کو
مناسب حصہ ملے۔ اس صدی کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو یہ محسوس کرنا پڑا
کہ اگر وہ سیاسی حیثیت سے اپنے کو منظم نہیں کر لیتے تو وہ خسارہ میں رہ جائیں گے
لہٰذا ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی اور اس سلسلہ میں جتنی
کچھ جدوجہد ہوئی اس میں غالب حصہ ان حضرات کا تھا جو علیگڈھ کالج کی
پیداوار تھے۔ یا کسی حیثیت سے علیگڈھ تحریک سے وابستہ رہے تھے۔

شروع شروع میں لیگ کے مقاصد کافی حد تک محدود تھے یعنی یہ کہ مسلمانوں کے
تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حقوق کے حصول پر زور دینا خصوصاً انتخابی اداروں
میں مثلاً میونسپل بورڈ، لیجسلیٹو اسمبلی وغیرہ میں جداگانہ انتخاب کا حق،
ملازمتوں میں نیابت وغیرہ۔ اور مختلف فرقوں کے درمیان دوستانہ تعلقات
و تعاون کو ترقی دینا۔ سر برآوردہ مسلمانوں کا ایک وفد لارڈ منٹو وائسرائے
ہند کے پاس اس غرض سے بھیجا گیا کہ مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق مل جائے
حکومت برطانیہ نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔ ہندوستان کی سیاست اس وقت
ابھی عہد طفولیت سے گذر رہی تھی۔ اس وقت کی ساری سیاست ہی اتنی

تھی کہ حقوق ومفاد کے تحفظ کا مطالبہ تھا نیز یہ مطالبہ تھا کہ حکومت برطانیہ کسی فیصلہ پر پہنچے اور کسی قانون کو نافذ کرنے سے قبل ہندوستانیوں سے بھی مشورہ کرلیا کرے اور ان کو اظہار رائے کا حق حاصل رہے ۔ اصل سیاسی قوت ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہونا یا ذمہ دارانہ حکومت میں ہندوستانیوں کو مکمل اختیار حاصل ہونا ایسے مسائل تھے جو اس وقت زیادہ سے زیادہ علمی دلچسپی کا باعث ہو سکتے تھے ۔

کانگریس جو باعتبار تشکیل ہمیشہ سے من حیث الاغلب ہندو ادارہ رہی ہے کافی پہلے سے میدان میں آچکی تھی ۔ اگرچہ بہتیرے کانگریسی جداگانہ انتخاب اور مسلمانوں کے دیگر مطالبات کے خلاف تھے ۔ تاہم جماعتی حیثیت سے کانگریس نے مسلمانوں کے مطالبات سے کسی خاص مخاصمت کا اظہار نہیں کیا تھا ۔ اس زمانہ کے ایک زبردست ہندو لیڈر ۔ مسٹر جی کے ۔ گوکھلے نے جو اپنی وسیع النظری اور نکتہ رسی میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے مسلمانوں کے مطالبہ انتخاب جداگانہ کو قرین انصاف تسلیم کیا اور بالاعلان کہا کہ اگر ہندو بھی انہیں حالات میں ہوتے تو وہ بھی یہی مطالبہ کرتے ۔ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمان خود مختاری کی مشترک اسکیم کا ساتھ دینے اور ہندوستان کی مشترکہ سیاسی زندگی میں حصہ لینے پر پوری طور پر آمادہ تھے ۔ جہاں تک آزادی و خود مختاری کی خواہش کا تعلق ہے وہ کسی سے ذرہ برابر پیچھے نہ تھے ۔

لیگ اور کانگریس کے نمائندہ اور معتمد علیہ لیڈروں نے ہندو مسلم مسئلہ کو جس کے متعلق ہمیشہ مسلم رہا ہے کہ بغیر اس کے کوئی سیاسی ترقی ممکن نہیں ہے سلجھانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس لیگ معاہدہ جسے میثاق لکھنؤ (۱۹۱۶ء) بھی کہتے ہیں ۔ اس واضح مفاہمت پر مرتب ہوا کہ گویا

دو سیاسی جماعتیں ہندو اور مسلمان، اپنے اپنے نمائندہ سیاسی اداروں، کانگریس اور لیگ کی معرفت ہندوستان کے نظم و نسق اور متوقع آئینی اصلاحات کی اسکیم میں اپنے اپنے مناصب و مطالبات کے متعلق ایک معاہدہ کر رہی ہیں اس میثاق کی بنیادی چیز مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا اصول تھا۔ وہ مسلمان لیڈر جنہوں نے یہ زبردست سیاسی کارنامہ انجام دیا مسٹر محمد علی جناح تھے۔

اب لیگ کا اثر و اقتدار بڑھ چکا تھا اور اس کی یہ حیثیت مسلّم ہو چکی تھی کہ یہی مسلمانوں کی واحد جماعت ہے جو مسلمانوں کی ترجمانی اور وکالت کر سکتی ہے۔ ۱۹۱۴ء-۱۸ء کی جنگ کے اختتام پر متعدد ایسے اندوہناک واقعات رونما ہوئے۔ مثلاً جلیانوالہ باغ کی فائرنگ۔ سلطنت ترکیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کیا جانا۔ مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات کے متعلق لائڈ جارج کی حکومت کا غیر ہمدردانہ رویہ، خلافت اور آئینی اصلاحات کے متعلق مسلمانوں اور عام ہندوستانیوں کے ساتھ حکومت کی وعدہ خلافی جس کے باعث تحریک عدم تعاون کی صورت میں جو کانگریس اور خلافت کانفرنس کی متحدہ کوششوں سے بروئے عمل لائی گئی تھی زبردست خلفشار و ہیجان برپا ہو گیا۔ اس جوش و خروش کی شدت کے زمانہ میں عارضی طور پر لیگ کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی کیونکہ اس کے بیشتر اراکین خلافت کانفرنس کے ساتھ کام کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔

بہرحال ۱۹۲۴ء میں مسٹر جناح کی قیادت میں لیگ کا احیاء ہوا اور اس وقت سے وہ برابر اپنے دوگونہ مقاصد یعنی ہندوستان کے لئے مکمل ذمہ دارانہ حکومت اور اس میں مسلمانوں کے معقول و مناسب حصہ رسدی

کے حصول کے لئے جدوجہد میں سرگرم رہی چونکہ ابھی مسلمانوں کو ہندوستان کے لئے ایک مشترکہ حکومت کی اسکیم پر اعتماد باقی تھا لہٰذا انہوں نے چند تجاویز ومطالبات مرتب کئے جو متعین ہوکر مسٹر جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان میں سے چند خاص نکات یہ تھے :—

(۱) وفاقی طرز کی حکومت جس میں بقیہ اختیارات صوبوں کو حاصل رہیں اور مرکز میں مسلمانوں کو ساڑھے تینتیس فی صدی نیابت حاصل ہو (۲) ان صوبوں کے مسلمانوں کو جہاں وہ اکثریت میں ہیں اکثریت کے حقوق حاصل رہیں اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں جداگانہ انتخاب، تعیین نشست اور دیگر طریقوں سے انہیں تحفظات حاصل ہوں (۳) سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کردیا جائے اور سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان کو جو مسلم اکثریت والے علاقے ہیں صوبجاتی خودمختاری دی جائے۔

(۴) مسلمانوں کے شخصی اور مذہبی قوانین اور اردو زبان کا تحفظ ہو۔ ان میں کے بعض مطالبات جزئی طور پر ۱۹۳۵ء کے ریفارم ایکٹ کے ذریعہ پورے ہوگئے۔ مگر بنگال اور پنجاب کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ساتھ صریح ناانصافی سے کام لیا گیا۔ کیونکہ ان دونوں صوبوں میں جہاں وہ حقیقتاً اکثریت میں آباد ہیں ان کی حیثیت تقریباً اقلیت کی سی کردی گئی۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے اس حصہ کا نفاذ جو صوبائی حکومتوں سے متعلق ہے ہندوستان کی سیاست میں نئی قوتوں کے میدان عمل میں آنے کا اشارہ تھا۔ کانگریس نے ہندو رائے عامہ کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان چھ صوبوں میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کرلی مگر مسلم اکثریت کے صوبوں میں اس کو اتنی ہی نمایاں ناکامی بھی ہوئی اور ان صوبوں میں وہ کسی قابل ذکر نشست پر قابض نہ ہوسکی باوجودیکہ اس وقت مسلمانوں

پاس کوئی ایسی سیاسی ہیئت عاملہ نہ تھی جس کے ذریعہ وہ اپنی سیاسی زندگی کو متحرک کر کے اپنے حقوق کے لئے جد وجہد کر سکتے - اونچی ذات والے ہندو سیاست کاروں کی جانفشانی اور دولتمند ہندو تاجروں کی مالی اعانت سے کانگریس نے ایک ہمہ جاوی ہندو جماعت کی حیثیت حاصل کر لی جس کا رویہ اس مقصد کے پیش نظر جارحانہ ہوتا گیا کہ کل غیر ہندو عنصر کو رفتہ رفتہ مدغم کر لیا جائے یا ختم کر دیا جائے کانگریس کو اپنے منصوبوں میں اس شریفانہ معاہدہ کی وجہ سے جو اس کے اور حکومت برطانیہ کے درمیان ہو گیا تھا مزید شہ ملی - اس معاہدہ کی رو سے وہ تحفظات جو اقلیتوں کے حقوق کے متعلق دستور سیاسی میں رکھے گئے تھے غیر موثر اور لا یعنی ہو کر رہ گئے - کانگریسی وزارتوں نے جس قسم کے کردار و افعال کا اپنی ستائیس مہینہ کی حکومت میں مظاہرہ کیا اس سے کانگریس کے ہمہ جاویانہ رجحانات کا صاف پتہ چل گیا مسلمان، ہندو معاشرت کی پست اقوام نیز دیگر غیر ہندو اقلیتوں میں اس صورت حال سے تشویش پیدا ہو گئی - لیکن صرف مسلمانوں نے اتنی جرأت کی کہ کانگریس کی دعوت مبارزت قبول کر کے اپنی قوتوں کی از سر نو شیرازہ بندی کرنے اور اپنے کو اس صریحی ہلاکت سے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں مسلمانوں میں انتہائی تیزی کے ساتھ بیداری کی زبردست لہر دوڑ گئی اور ملک کے اس سرے سے اس سرے تک کے مسلمان اپنے قائد مسٹر محمد علی جناح کی آواز پر مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے - پہلے ان سے جو کچھ بھی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سی ہوئیں - مگر وہ اس پر تیار نہ تھے کہ وہ ایک ایسی قوم کے رحم و کرم پر اور ماتحت ہو کر رہیں جس پر انہوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی تھی اور جسے وہ کسی اعتبار سے اپنے سے برتر تسلیم نہ کر سکتے تھے -

۱۹۳۷ء میں لکھنؤ کے مقام پر لیگ میں ایک زبردست تبدیلی پیدا ہوئی اب وہ متوسط طبقہ کی سیاسی انجمن کے بجائے عوام کی ایک جاندار قومی جماعت بن گئی۔ اٹھارہ سال سے اوپر کی عمر کا ہر مسلمان، خواہ مرد ہو یا عورت، دو آنہ سالانہ چندہ دیکر اور لیگ کے عہد نامہ پر دستخط کر کے لیگ کا ممبر بن جاتا ہے۔ انہیں دو آنہ والے ممبروں پر دیہاتوں کی اور شہروں کے مختلف علاقوں کی ابتدائی لیگیں مشتمل ہوتی ہیں۔ وہی اپنی مجلس عاملہ کا انتخاب کرتی ہیں اور وہی شہر یا ضلع لیگ کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرتی ہیں۔ یہ لیگ کمیٹیاں جو ابتدائی لیگوں کے نمایندوں پر مشتمل ہوتی ہیں صوبائی لیگ کے لئے نمائندے منتخب کرتی ہیں۔ ہر صوبائی لیگ اس معینہ تعداد کے مطابق جو اس کے صوبہ کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کے قواعد و ضوابط میں درج ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے لئے نمائندے منتخب کرتی ہے جس کے تمام صوبائی لیگیں اپنے اپنے طور پر صدر کا نام تجویز کرتی ہیں۔ اس فہرست میں سے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل صدر کا انتخاب کرتی ہے صدر آل انڈیا مسلم لیگ ممبران کونسل آل انڈیا مسلم لیگ میں سے اکیس آدمیوں کو مجلس عاملہ کی رکنیت کے لئے نامزد کرتا ہے۔ ضلع اور شہر کی لیگیں نیز ابتدائی لیگیں اپنے عہدہ داروں اور اپنی مجلس عاملہ کا انتخاب خود کرتی ہیں۔

۱۹۳۷ء میں لیگ کی جدید تنظیم کے بعد سے برابر ہندوستان کے ہر ہر گوشہ کے لوگ روز افزوں تعداد میں لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہوتے جا رہے ہیں۔ اس وقت لیگ کے کل ممبروں کی تعداد پچاس اور ستر لاکھ کے درمیان پہونچ چکی ہے۔ مسلم قوم کا ہر طبقہ زمیندار، تجارت پیشہ، اہل حرفت، مزدور، اہل علم، دیہات کے ناخواندہ، طالب علم، عورتیں بچے۔ لیگ کے ساتھ وابستگی و عقیدت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان

سب کے نزدیک لیگ ہی ان کی وکیل مطلق ہے وہی ان کی امیدوں کا مرکز ہے وہی ان کے حقوق و مفاد کی محافظ ہے، وہی ان کے مستقبل کی ضامن ہے۔ لیگ ہی ان کے قومی وجود کا سرچشمہ ہے، وہی ان کے لئے منبع ہدایت ہے وہی تمام اندرونی و بیرونی معاند قوتوں کے مقابلہ میں ان کی سپر ہے۔ لیگ نے پانچ سال کی قلیل مدت میں مسلمانوں کے لئے وہ کارنامے انجام دیئے ہیں جو کانگریس پچاس سال سے زیادہ کی مدت میں بحیثیت کل ہندوؤں کے لئے نہیں کر سکی لیگ نے مسلمانوں کو ایک ٹھوس اور ناقابل شکست وحدت بنا دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کے اندر اپنی جداگانہ قومی حیثیت اور قومی مقدرات کا احساس بیحد تیز کر دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں میں خودشناسی، خوداعتمادی اور خودکوشی کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی تنظیمی صلاحیت اور تخلیقی قوت و رجحان کو صحیح راستوں پر لگا دیا ہے۔ مسلمانوں میں ایک زبردست جماعتی احساس پیدا ہو گیا ہے اور اب شخصی کے بجائے اجتماعی فلاح و ترقی انکے فکر و عمل کا مرکز ہے۔

اپنے دور جدید کے ابتدائی پانچ سال میں لیگ کو اپنے وقت اور توجہ کا بیشتر حصہ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے میں صرف ہوا۔ جو اس کے کاموں کی ابتدائی اور بنیادی منزل تھی۔ اس دوران میں اسے مسلمانوں کی رائے عامہ کی ترتیب۔ اُن میں سیاسی شعور کی تخلیق اور نئے تصورات کی اشاعت انکے منزل مقصود اور لائحہ عمل کی توضیح اور ان کی مقبولیت بڑھانے کے کام کرنے پڑے۔ ان ابتدائی کاموں کی عظمت و دشواریوں کا صحیح اندازہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کی چند سال قبل کی حالت پیش نظر رکھی جائے کہ وہ کس درجہ پراگندگی، انتشار اور اُفتادگی کے عالم میں تھے۔ مالی بے بضاعتی

تربیت یافتہ کارکنوں کا فقدان، اور سب سے بڑھکر پریس کی سہولتوں کی غیر موجودگی یہ تمام چیزیں نہایت حوصلہ فرسا تھیں۔ بہرحال اب یہ ابتدائی کام بحسن و خوبی تکمیل کو پہنچ چکا ہے جس کے لئے ہمیں مسٹر جناح کی بیج الفکر، دلیرانہ اور حوصلہ آفریں قیادت اور لیگ کے بیشمار خاموش کارکنوں کی غیر متزلزل، بے نفس اور مخلصانہ محنت و خدمات کا ممنون ہونا چاہیئے۔ مسٹر جناح اور ان کے معتمد علیہ نائب نواب زادہ لیاقت علی خاں سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی دیانت و لیاقت کے ہمہ گیر اعتراف کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء سے یہ دونوں حضرات ان عہدوں پر برابر منتخب ہوتے آئے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں میں قابل آدمیوں کی کمی ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق باہمی اور ان لیڈروں کے ساتھ جنہوں نے اپنی دیانت و خدمت کے ذریعہ ان کے قلوب کو مسخر کر لیا ہے۔ ان کے جذبۂ عقیدت و وابستگی کا پتہ دیتا ہے۔

مسلمانوں کے دلوں پر لیگ کا کس قدر مکمل قبضہ ہے اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ مختلف صوبائی اور مرکزی مجالس قانون ساز کے مسلم ارکان میں غالب اکثریت مسلم لیگیوں کی ہے۔ ۱۹۳۷ء سے اب تک تقریباً ساٹھ ضمنی انتخابات ہوئے ہیں۔ ایک کو چھوڑ کر باقی سب میں لیگ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ حال ہی میں بنگال کے ایوان بالا میں چھ نشستیں خالی تھیں اور یہ سب کی سب مسلم لیگیوں ہی کے قبضہ میں آئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر فضل الحق کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑا۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں اگست ۱۹۴۳ء میں چار ضمنی انتخابات ہوئے اور چاروں میں مسلم لیگ کو نہایت شاندار کامیابی ہوئی۔

سندھ، پنجاب، آسام اور بنگال کے وزیر اعظم نیز دیگر مسلم وزراء سب

کے سب مسلم لیگی ہیں۔ لیگ کا ضبط و نظم اتنا مستحکم ہے کہ تمام مسلم وزیر اعظموں نے مسلم لیگ کے فیصلہ کے مطابق نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت سے انکار کر دیا۔ اور جس زمانہ میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کو وار کمیٹیوں میں شرکت کی ممانعت کی تھی مسلم لیگی بالعموم ان کمیٹیوں کی رکنیت سے محترز رہے۔

لیگ نے سیاست ہند میں مسلمانوں کے لئے ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے یہاں تک کہ اب وہ محض تعدادی اقلیت نہیں رہے بلکہ ہندوستان کی ہر آئینی پالیسی کے لئے ان کی حیثیت ایک جداگانہ عامل ترکیبی کی ہو گئی ہے اور ہندوستان میں آئندہ سیاسی دستور کے نفاذ کے سلسلہ میں جن عناصر کی رضامندی لازمی تصور کی جاتی ہے ان میں مسلمان سب سے اہم ہیں۔

ہندوستان کی سیاسی ارتقا میں لیگ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو نیز اور لوگوں کو فرسودہ طرز فکر اور محدود نظریوں سے نجات دیکر سیاسی تفکر کی ایک نئی سبیل پیدا کر دی ہے اور ہندوستان کے سیاسی مسائل کے حل کرنے کے لئے بالکل اچھوتے تصورات پر توجہ مرکوز کرا دی ہے لیگ جن خیالات و تصورات کو عام کرنا چاہتی ہے وہ مجملاً حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہندوستان ایک وسیع نیم براعظم ہے جو بہت سی قومیتوں پر مشتمل ہے۔ تہذیب، مذہب، زبان، تصورات، روایات، عزائم، طرز نظر، نسلی و نفسیاتی خصوصیات وغیرہ کے اعتبار سے ہر قوم دوسرے سے ممتاز و مختلف ہے منجملہ ان متعدد اقوام کے ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں (۲) چونکہ مسلمان اقلیت نہیں بلکہ ایک جداگانہ قوم ہیں جو دس کروڑ نفوس پر مشتمل ہے، لہذا ان کے ساتھ مساویانہ حیثیت کا برتاؤ ہونا چاہئے۔ جہاں جہاں ان کی اکثریت ہے مثلاً ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق

میں وہاں ان کو اپنے وطنی علاقے بنانے اور ان میں اپنی حکومتیں قائم کرنے کا حق ہے (۳) چونکہ مسلمانوں کا طرز نظر حقیقت پسندانہ اور عملی ہے لہٰذا وہ اس کے معترف ہیں کہ جب تک جنگ جاری ہے ہندوستان کے لئے ایک جدید اور مکمل دستور سیاسی کی ترتیب ناممکن العمل ہے۔ باشندگان ہند کے تمام مادی و اخلاقی وسائل کا واحد مصرف اس وقت یہی ہے کہ عوام کی پرجوش حمایت و تائید حاصل کر کے جنگ کو کامیاب بنایا جائے۔ یہ صورت صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہندوستان کی حکومت میں یہاں کے باشندوں کے سچے نمایندوں کا عمل دخل ہو اور صحیح معنوں میں انہیں کے ہاتھوں میں سارے اختیارات اور قوت دیدی جائے۔ سیاسیات ہند کی پیچیدگیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت محض جنگ کو کامیاب بنانے کی غرض سے مرکز پر ایک ایسی مرکب حکومت کے قیام کی تدابیر عمل میں آنی چاہئیں جس میں مسلمانوں کا مساوی حصہ ہو مگر ان عظیم تر دستوری تنقیحات کے متعلق جنہیں جنگ کے ختم ہونے پر غور وفیصل کرنا ہے اس عارضی انتظام کا کوئی اثر نہ پڑنا چاہئے۔

حال میں لیگ کی پالیسی میں کسی قدر تبدیلی واقع ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ تبدیلی اس صاف اور بے لاگ پالیسی سے جس پر لیگ اب تک کاربند رہی ہے، انحراف نہیں ہے بلکہ اس کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ کرپس مشن کی تجاویز کی نوعیت اور ان کے متنازعہ فیہ ہونے سے قطع نظر، اس نے اتنا ضرور واضح کر دیا ہے کہ ہندوستان کا مکمل آزادی کا حق مسلم ہو چکا ہے۔ ہندوستان کا یہ حق بھی تسلیم کر لیا گیا کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے دستور سیاسی کو مرتب کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان تجاویز نے آزادی اور ترتیب دستور کے مسائل کو نمایاں طور پر سامنے کر دیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ یہ

مسائل مبحث وقت بن گئے ہیں بلکہ کرپس اسکیم نے آزادی اور ترتیب دستور کی تنقیحات کے فیصلہ کی نوعیت بھی قطعیت کے ساتھ معین کردی ہے جو کافی حد تک ہندو اکثریت کی موافقت میں ہے۔ مسلمانوں کا تصور آزادی کانگریسی تصور سے مختلف ہے۔ مسلمان سارے ہندوستان کے لئے محض رائے شماری کی بنیاد پر ایک مرکزی حکومت کا قیام نہیں تسلیم کرسکتا کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی یہ نتیجہ ہوگا کہ مسلمانوں اور دوسرے لوگوں پر ہندو غالب رہیں ۔۔ مسلمان اس قسم کی آزادی چاہتے ہیں جس میں ہندو اور مسلمان دونوں کو اپنی اپنی اکثریت کے علاقوں میں اپنی آزاد و خود مختار حکومت بنانے کا حق حاصل ہو تاکہ دونوں اپنے اپنے ذوق، روایات اور تہذیب کے مطابق اپنے مقدرات و مستقبل تشکیل کرسکیں ۔ مزید برآں کانگریس نے آزادی کا فوری مطالبہ پیش کردیا اور اس کے بعد مشیخت میں آگر " ہندوستان خالی کردو " کی مہم کی صورت دیدی۔ حالات کی یہ رو دیکھ کر ناممکن تھا کہ لیگ خاموش بیٹھی رہتی اور مستقبل کے لئے ایک سلبی ضمانت پر قانع رہتی۔ لیگ اگر برطانیہ سے پاکستان کے ہی حصول کا بھی مطالبہ کرتی تو وہ حق بجانب ہوتی، تاہم اس نے یہ نہیں کیا کہ موقع و محل کی مناسبت کو قطعاً نظر انداز کردیتی۔ اپنی بمبئی والی قرارداد (اگست ۱۹۴۲ء) میں لیگ نے حکومت برطانیہ سے اس اعلان کا مطالبہ کیا کہ وہ اس امر کا یقین دلاتی ہے کہ وہ جنگ کے بعد مسئلہ پاکستان کے متعلق مسلم رائے عامہ کا فیصلہ حاصل کرکے اس کے مطابق عملدرآمد کرے گی۔ لیگ نے اس کا بھی اظہار کیا کہ اس دوران میں کسی عارضی حکومت میں وہ مساویانہ حیثیت سے شریک ہونے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ ان کا حق خود اختیاری حسب تصریح مندرجہ قرارداد، تسلیم کرلیا جائے۔ اندرونی اور بیرونی حالات کی

نزاکت کے پیش نظر لیگ کی یہ قرارداد موجودہ تعطل دور کرنے کے سلسلہ میں ایک نہایت معقول اور مدبرانہ اقدام اور برطانوی حکومت، کانگریس نیز دیگر جماعتوں کے لیے نہایت منصفانہ پیش کش کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر جماعت کی پوزیشن محفوظ کر دیتی ہے۔ مرکز کی عارضی حکومت میں مسلمانوں کا مساویانہ نیابت کا مطالبہ دو وجہوں کی بنا پر حق بجانب ہے۔ اول یہ کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں لہذا تعداد سے قطع نظر، وہ دوسروں کے مقابلہ میں مساویانہ حیثیت کے خواہاں ہیں، کیونکہ اگر انہیں عارضی حکومت میں اقلیت کی حیثیت سے شریک کیا گیا تو ہو سکتا ہے یہی چیز ان کے خلاف استعمال کی جائے گی اور آئندہ دستور کی ترتیب کے وقت ان کے آزاد حکومتوں کے قیام کے مطالبہ پر اثر انداز ہوگی۔ دوسرے یہ کہ جتنے حربی کابینے ہنگامی طور پر قائم کئے جاتے ہیں سب میں یہ صورت ہوتی ہے کہ تعداد کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور تمام اہم جماعتوں کو مساویانہ نیابت دی جاتی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا سوال ہے یہ طریقہ اور بھی زیادہ جواز کا حامل ہے کیونکہ وہ عسکری قوم ہونے کی وجہ سے جنگ کی جدوجہد بہت عظیم الشان حصہ لے رہے ہیں۔ اب اگر ان میں یہ احساس پیدا کرا دیا جائے کہ نظم و نسق میں ان کی اتنی ہی آواز ہے جتنی دوسری جماعت کی اور انکی جدوجہد اور قربانیاں مآل کار ان کے قومی نصب العین کے حصول کا موجب ہونگی تو ظاہر ہے کہ ان کا شغف اب سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گا۔

ایک جداگانہ سیاسی وحدت ہونے کا احساس مسلمانوں کے خمیر میں داخل ہو چکا ہے اور ہندوستان کی سیاسی ترقی کے ساتھ ساتھ اس احساس میں بھی ترقی ہوتی گئی ہے۔ مسلمانوں کے سابقہ مطالبات بھی جو مسٹر جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی احساس کا نتیجہ تھے۔ مقصد یہی تھا

کہ نظم و نسق حکومت میں موثر حصہ لیکر مسلمانوں کا ملی تشخص محفوظ رکھا جائے جب اصل سیاسی اقتدار کے منتقل کئے جانے کے مسئلہ نے مبحث وقت ہونے کی حیثیت اختیار کرلی تو مسلمانوں کے جذبات نے بھی قومیت کی صورت پکڑی اور اس کے لوازمات۔ وطنی علاقہ اور ریاست بھی سامنے آگئے۔ جب تک مسلمانوں کو یہ شبہ نہیں ہوا تھا کہ ہندوؤں کے دل میں یہ منصوبے ہیں کہ سارے ہندوستان پر اپنا غلبہ و اقتدار قائم کریں، وہ ایک مشترکہ اسکیم میں شرکت کے لئے رضامند تھے۔ مگر صوبوں میں ستائیس مہینہ کے کانگرسی راج نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ کانگرسی وزارتوں سے جہاں تک بن پڑا انہوں نے سیاسی، تہذیبی، اقتصادی اور تعلیمی حیثیت سے مسلمانوں کا گلا گھونٹنے میں کوئی کور کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بعد کے واقعات نے ناقابل تردید طور پر ثابت کردیا ہے کہ کانگریس صرف اسی عزم کے ماتحت کام کرتی ہے کہ وہ ایک آمر کل اور ہمہ حاوی عصبیہ بن کر ہندو اکثریت کے مفاد کے ماتحت اس وسیع برّ اعظم پر اس گوشہ سے اس گوشہ تک حکمرانی کرے۔ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان میں خود جو خوبیاں ہیں وہ تو ہیں ہی مگر کانگریس کے جارحانہ اور ہمہ حاویانہ عزائم اس کے وزن و معقولیت کے لیے مزید قوت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔

مسلم لیگ اب اس منزل پر پہونچ گئی ہے کہ اب وہ منجملہ اور جماعتوں کے ایک جماعت نہیں رہی بلکہ ایک تحریک و تنظیم ہے جو دس کروڑ مسلمانان ہند پر محیط ہے۔ لیگ کو جس حد تک مسلمانوں کی عقیدت اور وابستگی حاصل ہے اگر اس کے متعلق اب بھی کسی شہادت کی ضرورت باقی ہے تو اس واقعہ سے فراہم ہوجاتی ہے کہ لیگ کے حسب فرمان پورے ہندوستان کے مسلمانوں نے تخریب و بدنظمی کی اس مہم سے جو کانگریس نے حال میں شروع کی تھی۔

اپنے آپ کو قطعاً علیحدہ رکھا۔ فوری خطرات اور انتہائی اشتعال انگیزیوں کے باوجود انہوں نے جس پر سکون انضباط اور مکمل یک جہتی کا مظاہرہ کیا وہ حیرت انگیز ہے۔ اس ہنگامہ اور فتنہ آفرینی میں شرکت سے باز رہ کر انہوں نے دول متحدہ کی جنگی کوششوں کے لئے ایک نمایاں خدمت انجام دی ہے جس کا اعتراف نائب وزیر اعظم برطانیہ مسٹر ایٹلی جیسی شخصیت نے بھی کیا ہے۔

اب مسلم لیگ نے عوام کی تعلیمی، معاشرتی اور اقتصادی ترقی کا لائحہ عمل پیش کیا ہے لیگ نے مسلم خواتین کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ خواتین لیگ کے کاموں میں بہت دلچسپی کا اظہار کر رہی ہیں اور احیار ملت کی عظیم الشان تحریک میں معقول حصہ لینے کے لئے قدم آگے بڑھا رہی ہیں۔ لیگ نے مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی کی روح پھونک دی ہے۔ ان کے دلوں میں ایک شمع امید روشن کر دی ہے اور ان کی جرارت، خود کوشی، تعمیری جدوجہد اور اجتماعی کام کرنے کی بہترین صلاحیتیں بیدار کر دی ہیں۔

اب مسلمان اپنے سروں کو اونچا کئے، نظریں اپنی منزل مقصود پر جمائے ہوئے ہیں اور انہیں اپنا نیر اقبال افق سے صاف طلوع ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

ہندوستانی اور برطانوی سیاسیین کے معقول پسند طبقے مسلمانوں کے مطالبہ خود اختیاری کی قوت و معقولیت کے قائل ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ تعطل کو دور کرنے کی واحد سبیل یہی ہے کہ تمام جماعتیں مسلمانوں کا حق خود اختیاری تسلیم کر لیں۔ مسلمانوں کے مطالبات کو نظر انداز کر کے موجودہ تعطل کو دور کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ انتہائی خطرناک نتائج کی حامل ہو گی۔

پاکستان اور مسلمان

معہ پیش لفظ

از

قائد اعظم محمد علی جناح

ایم - آر - ٹی کی مشہور و مقبول عام انگریزی تصنیف "پاکستان اینڈ مسلم انڈیا"

کا اُردو ترجمہ

از

محمد ظفر احمد صاحب انصاری

ایم - اے - بی - اے (آنرز) ال ال بی

قائد اعظم کا ارشاد گرامی :-

"جن لوگوں کو ہندوستان کے آئندہ دستوری مسائل اور ان کے حل سے دلچسپی ہے میں ان کے لئے اس کتاب کو قابل مطالعہ سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ جو شخص بھی جذبات سے الگ ہو کر اور کشادہ دماغی سے کام لیکر اس کا مطالعہ کرے گا اسے اس کتاب کے پیش کردہ اعداد و شمار اور سیاسی و تاریخی دلائل قائل کر دیں گے کہ یہاں کی دونوں بڑی قوموں - ہندوؤں اور مسلمانوں کے مفاد کی بہترین صورت یہی ہے کہ ہندوستان کو منقسم کر دیا جائے"

قیمت کتاب دو روپیہ آٹھ آنہ

ملنے کا پتہ

سید شمس الحسن صدر دفتر آل انڈیا مسلم لیگ دریا گنج دہلی